رسائل و مسائل

نظام باطل کے تحت مسلمانوں کا طریق کار

سوال (۱) میں اس وقت تک مسلم لیگ کے دامن سے بندھا ہوا ہوں، مگر میں اس کی جدوجہد کو لادینی ضرور تسلیم کرنے لگا ہوں اور اس حقیقت کو بھی سمجھ چکا ہوں کہ لیگ کی قیادت اسلامی نقطۂ نظر سے ایک "جاہلی بے عمل" قیادت ہے ۔۔۔ مگر چونکہ رخصت و عزیمت کی دو راہیں خود اللہ نے مقرر فرمائی ہیں، اس وجہ سے لیگ کی جدوجہد اور قیادت کو گوارا کرتا ہوں۔ آپ سے پوچھنا یہی ہے کہ رخصت سے فائدہ اٹھانے کا حق صرف فرد کو ہے یا قوم کو بھی؟

(۲) جب تک ہم اپنی اصلی راہ پر نہیں آتے، ضرورت ہے کہ موجودہ حالات کے اندر اپنے موجودہ اختیارات کو قائم رکھیں، اور جو حقوق حاصل ہو چکے ہیں ان کو استعمال کریں مثلاً فرقہ وارانہ حقوق، کونسلوں میں نمائندگی، ملازمتوں میں حصہ وغیرہ

جمع کر خرمن تو پہلے دانہ دانہ کر کے تو — آہی جائے گی کوئی بجلی جلانے کے لیے!

آپ اس رائے سے کہاں تک متفق ہیں؟

(۳) میں پٹنہ یونیورسٹی کا ایک متعلم ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ ہمارا نظام تعلیم غیر اسلامی ہے! کیا مجھے اس تعلیم کو منقطع کر دینا چاہیے؟ حالانکہ حضورؐ بازار عکاظ جیسے میلوں میں گئے ہیں اور فواحش وطغیان کے مرکزوں میں پہنچے ہیں۔ ہماری نیت اگر بدی کو ختم کرنے اور نیکی کو فروغ دینے کی ہو تو پھر نہ غیر اسلامی تعلیم سے فائدہ اٹھانا غلط ہے، نہ نظام کفر کی ملازمتوں کا اختیار کرنا جرم رہ جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ بس رشوت، جھوٹ، خیانت وغیرہ بداخلاقیوں سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے اور ان

احتیاطوں کے ساتھ حسن نیت کا ہونا کافی ہے۔

جواب (۱) رخصت اور عزیمت میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حق فرد ہی کے لیے مخصوص ہے یا قوم کو بھی حاصل ہے، یہ ایک ضمنی سوال ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ رخصت و عزیمت کا تعلق دینی جدوجہد سے ہے یا ایک سرتاسر لادینی جدوجہد سے بھی؟ ہمارا خیال ہے کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس نے صرف دینی جدوجہد کی راہ میں رخصت یا عزیمت کی دو راہیں رکھی ہیں۔ لیکن کسی لادینی جدوجہد میں چاہے آپ رخصت کی راہ اختیار کریں یا عزیمت کی، اسلام کو اس سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ اگر مسلم لیگ کی جدوجہد کو لادینی مانتے ہیں، جیسا کہ آپ کی تحریر سے ظاہر ہے تو پھر اس کے اندر آپ چاہے رخصت کے زاویہ میں پناہ لیں یا عزیمت کی وادیوں میں ٹھوکریں کھائیں، اس بارہ میں اسلام سے استفتا کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

دوسری بات یہ پیش نظر رکھنی چاہیے کہ کسی دار الکفر میں اسلام کو غالب کرنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول نے افراد اور جماعت دونوں کے لیے ایک تدریجی پروگرام خود مقرر کر دیا ہے جس میں افراد کے ضعف و قوت کا بھی لحاظ ہے اور جماعت کی تدریجی صلاحیتوں کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ اس وجہ سے یہاں رخصت و عزیمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس طرح ہر جماعتی پروگرام صرف اوسط درجہ کے افراد کی صلاحیتوں کے لحاظ سے بنایا جاتا ہے اسی طرح یہ پروگرام بھی عام حالات ہی کے لحاظ سے بنا ہوا ہے۔ اس پروگرام سے الگ ہو کر آدمی کے لیے عزیمت تو درکنار لادینی جدوجہد کے لیے رخصت کی کوئی راہ بھی باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ گویا ایمان کا ادنیٰ ترین مطالبہ ہے جس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں۔

(۲) ہندوستان میں سیاسی ارتقا جس رخ پر ہو رہا ہے، اگر آپ نے اس کے ساتھ بہنا منظور کر لیا تو پھر آپ کے لیے اُس راہ پر پہنچنے کا کوئی امکان ہی نہیں رہ جاتا جس کو آپ اپنی "اصلی راہ" کہتے ہیں، بلکہ ہوگا یہ کہ آج اگر آپ اس سے ۰۰ میل دور ہیں تو کل اس سے ایک ہزار میل دور ہو جائیں گے۔ آپ کو "موجودہ حالات" سے محبت ہے تو آپ اس محبت کو باقی رکھیے لیکن آپ کی اس محبت اور خواہش آمیز تفکر سے حقائق تبدیل نہیں ہو جائیں گے۔ ہاں اگر آپ اپنی غلط فہمی کے ازالہ کے خواہشمند ہوں

تو جماعت اسلامی کا لٹریچر دیکھیے، خصوصاً سیاسی کشمکش کے تینوں حصے ضرور ملاحظہ فرمائیے۔

(۳) اس طرح کے سوالات کو پڑھ کر دل کو بڑا دکھ ہوتا ہے۔ کیا یہ لاکھوں مسلمان جو انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور جو انگریزی نظام کے اندر نوکریاں تلاش کرنے کے لیے در در کی خاک چھانتے پھرتے ہیں، اسی مقصد سے ان کالجوں اور محکموں میں جاتے ہیں جس مقصد سے آنحضرت صلعم "عکاظ کے میلوں" اور "فواحش کے اڈوں" پر جاتے تھے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو اس طرح کے غیر متعلق سوالات سے کیا فائدہ؟ اگر آپ لوگوں کا دل ایک غلط چیز کے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے تو نہ چھوڑیے لیکن یہ خواہش کیوں رکھتے ہیں کہ اللہ اور رسول بھی آپ کی خواہشوں کے پیچھے پیچھے چلیں۔ اس بات کو خوب یاد رکھیے کہ نظام باطل کا ہر شعبہ باطل ہے، خواہ وہ بظاہر کتنا ہی بے ضرر اور معصوم کیوں نہ نظر آئے۔ کیونکہ کسی نظام پر جو حکم لگایا جاتا ہے وہ اس کے کسی خاص جز کے لحاظ سے نہیں لگایا جاتا، بلکہ اس کے کُل کے مجموعی مقصد کے لحاظ سے لگایا جاتا ہے۔ عیسائی مشنریوں کے بہت سے کام مثلاً ہسپتالوں وغیرہ کے قیام بظاہر نہایت اچھے ہیں، لیکن یہ تمام اجزا مل کر جس باطل مشن کو انجام دے رہے ہیں، اگر اس کو سامنے رکھیے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب شیطان کے پھندے ہیں۔

نیت کا سوال وہاں ہوتا ہے جہاں کام فی نفسہٖ نیک ہو۔ اگر ایک نیک کام کو اچھی نیت سے کیا جائے تو اس پر ثواب ملے گا اور اگر بری نیت سے کیا جائے تو وہ ضائع ہو جائے گا۔ حرام اور ناجائز کاموں کو آپ کتنی ہی پاک نیت سے کریں وہ پاک نہیں ہو سکتے۔ ان میں تو صرف جرم کے اثبات کے لیے ارادہ کا ہونا دیکھا جائے گا، کہ اگر آپ نے حرام فعل کا ارادہ کیا تھا تو آپ مجرم ہیں اور اگر اس کا باقاعدہ ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ صادر ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا۔ تعجب ہے کہ آپ حضرات کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ جو مسلمان ایک باطل نظام کا پرزہ بنا ہوا ہے اس کی نیت کا نیک ہونا اور ادائے فرائض میں اس کا دیانتدار اور راستباز ہونا اس کے کام کو جائز کیسے بنا دے گا۔ اگر وہ نہایت اخلاص کے ساتھ رشوت اور خیانت سے پاک رہ کر نظام کفر کی کل چلا رہا ہے تو وہ بس نظام کفر ہی کا مخلص و دیانتدار خادم ہے اور اس کے اخلاص و دیانت کا سارا فائدہ نظام کفر ہی کو پہنچتا ہے، نہ کہ اسلام اور حق کو،

لہذا باطل کی مخلصانہ خدمت اس کے جرم کو دوچند کر دے گی، کجا کہ اسے ثواب بنا دے۔

تقیہ کے اصول پر نظامِ باطل میں شرکت

سوال: سورہ آلِ عمران کی آیت ۲۸ (رکوع ۳) کی توضیح مطلوب ہے۔ اس کا ترجمہ بروئے تفہیم القرآن یہ ہے:-

"مومن اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ہمدرد اور ہم ساز ہرگز نہ بنائیں، جو ایسا کرے اللہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں یہ معاف ہے کہ تم ان کے ظلم سے بچنے کے لیے بظاہر ایسا طرزِ عمل اختیار کر جاؤ، مگر اللہ تم کو اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور تمھیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔"

اس آیت کے ہر دو حاشیہ کے پڑھنے سے شبہہ ہوتا ہے کہ مسلم لیگی گروہ کا کفار سے تقیہ کرنا واجب ہے۔ ان کی طرف سے حجت بھی یہی پیش کی جاتی ہے کہ چونکہ کفار پوری طرح مسلمانوں پر مسلط ہو چکے ہیں اور ان کے نظامِ باطل نے ہمارے تن اور من دونوں کو اپنی گرفت میں مضبوطی سے لے رکھا ہے اس لیے اب مسلمانوں کے لیے محفوظ طرزِ عمل یہی ہو سکتا ہے کہ کفار کی دی ہوئی ڈھیل سے بتدریج فائدہ اٹھایا جائے اور اپنی جماعتی زندگی بچانے کے لیے فی الحال نظامِ باطل سے دوستی کا اظہار کیا جائے اور اس کے ساتھ اپنے عوام میں مذہبی شعور کو بیدار کیا جائے، یوں یہ صورتِ حالات بدل سکتی ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ ایسا تقیہ آیا صرف شخصی طور پر درست ہے یا جماعتی حیثیت سے بھی؟

ذاتی طور پر تو میرا کامل ایمان اسی بات پر ہے کہ از روئے قرآن کوئی تنظیم اور جد و جہد جو سنتِ انبیاء سے ہٹی ہوئی ہو جائز نہیں ہے اور میرا گمان یہ بھی ہے کہ جو جماعت اصولِ قرآن سے بے نیاز ہو کر اور نظامِ باطل کا جزو بن کر کام کرنا چاہے اس کے لیے شرعی تقیہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسے تقیہ کا اگر سوال پیدا ہو سکتا ہے تو اس اسلامی جماعت کے لیے پیدا ہو سکتا ہے جو قرآنی اصولوں پر کام کرے۔ لیکن میں آپ سے اس مسئلہ کی تصریح چاہتا ہوں!

جواب: آپ نے تو اپنے سوال کا خود ہی صحیح جواب دے دیا ہے۔ تقیہ خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، بہرحال شرعی حیثیت سے اس کا فائدہ اٹھانے کا حق صرف اس فرد یا جماعت کو حاصل ہو سکتا ہے جو

اسلامی نصب العین کے لیے اسلامی اصول پر کام کرنے اٹھے اور کفار سے اس کا مقابلہ یا تصادم اس حیثیت سے پیش آئے کہ یہ اسلام کا کام ہو رہا ہے اور دشمنان اسلام اس کام کو دبا رہے ہیں۔ ایسی حالت میں فرد تو انفرادی طور پر خود فیصلہ کرے گا کہ آیا اس میں مقابلہ پر ڈٹے رہنے اور مصائب برداشت کرنے کی طاقت ہے یا نہیں؟ اور اس بنا پر اس کو تقیہ کرکے وقتی طور پر اپنے آپ کو ان مظالم سے بچانے کی رخصت حاصل ہے؟ اور اگر جماعت اس حالت میں مبتلا ہو تو پھر یہ رائے جماعتی طور پر قائم کی جائے گی۔ لیکن جو جماعتیں نہ اسلام کے اصول پر قائم ہوئی ہوں، نہ دین کو دنیا میں غالب کرنا ان کا مقصود ہو، نہ کفار سے اسلام کی خاطر ان کو کوئی تصادم پیش آیا ہو، بلکہ اس کے برعکس نظام باطل ہی پر انھوں نے اپنی زندگی کو قائم کیا ہو اور کفار سے ان کی سیاسی کشمکش اسی نظام باطل ہی کے اندر بہتر مقام حاصل کرنے کے لیے ہو رہی ہو تو ان کو آخر قرآن کی دی ہوئی رخصتوں سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے۔ اس بنا پر تو پھر کل یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جاپان جو آج امریکہ کے مقابلہ میں تقیہ کر رہا ہے، وہ بھی دراصل قرآن کی دی ہوئی رخصت سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔

دہریّت و مادّہ پرستی اور قرآن

سوال: آپ نے اپنے مضمون "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" میں اصطلاحاتِ اربعہ کے جو معانی بیان کیے ہیں ان سے، جیسا کہ آپ نے خود ذکر فرمایا ہے، یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہ تھی جس کی طرف نبی بھیجا گیا ہو اور اس نے اسے خدا کی ہستی کو تسلیم کرنے یا خدا کو الٰہ و رب بمعنی خالق و رازق ماننے کی دعوت دی ہو، کیونکہ ہر قوم اللہ کے فاطر و خالق ہونے کا اعتقاد رکھتی تھی۔ اس سے بظاہر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں منکرین خدا یعنی مادہ پرست ملحدین اور دہریوں کا گروہ ناپید تھا، حالانکہ بعض آیات سے ان لوگوں کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً: وماھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیی وما یھلکنا الا الدھر (جاثیہ) "بس ہماری زندگی تو یہی دنیا کی زندگی ہے کہ مرتے ہیں اور جیتے ہیں ——— اور یہ زمانہ (یعنی نظم فطرت) ہی ہمیں ہلاک کرنے والا ہے۔"

نیز موسیٰ و فرعون اور نمرود و ابراہیمؑ کے مذاکروں میں بعض آیات اس امر پر صریح الدلالت ہیں کہ یہ دونوں مادہ پرست دھریہ تھے۔ مثلاً افی اللہ شک فاطر السمٰوٰت والارض ؟ (ابراہیم) ترجمہ:- "کیا خدا کے وجود میں بھی کوئی شک و شبہ ہے جو موجد ارض و سما ہے؟" پھر دوسری آیت ہے۔ ام خلقوا من غیر شیءٍ ، ام ھم الخالقون ؟ (النجم) "کیا وہ بدون کسی خالق کے آپ سے آپ پیدا ہو گئے یا وہ خود خالق ہیں؟"

آپ نے دوسری آیات سے استدلال کرتے ہوئے ان آیتوں کی جو توجیہ کی ہے اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اُن آیاتِ متمسک بہا کی دوسری توجیہیں ہو سکتی ہیں۔

جواب: میں نے جہاں تک قرآن مجید کا مطالعہ کیا ہے اور جس حد تک تاریخی معلومات میرے سامنے ہیں، ان دونوں سے یہ بات مجھے قریب بہ یقین معلوم ہوتی ہے کہ دنیا میں کبھی کوئی قوم یا کوئی ہیئت اجتماعی (Community) ایسی نہیں گذری ہے جو بحیثیت مجموعی خدا کی منکر اور دہریہ رہی ہو۔ افراد اور چھوٹے چھوٹے فلسفیانہ گروہ ایسے ضرور رہے ہیں، لیکن وہ اتنے قابل لحاظ نہ تھے کہ براہ راست ان کو خطاب کرنے کے لیے کوئی نبی بھیجا جاتا یا کتاب نازل کی جاتی۔ اسی لیے قرآن مجید میں ایسے گروہوں کے متعلق کہیں کہیں مختصر اشارات تو ضرور کیے گئے ہیں لیکن دعوت کا براہ راست خطاب مشرکین ہی کی طرف ہے اور عموماً توحید پر جو دلائل دیے گئے ہیں وہ اس انداز سے دیے گئے ہیں کہ شرک کے ابطال کے ساتھ دہریت کا ابطال بھی انہی سے ہو جاتا ہے اور اس کے خلاف الگ دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

فرعون اور نمرود کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض قیاس سے لکھا ہے۔ معتبر معلومات اس کے خلاف ہیں۔ آج ارض بابل اور ارض مصر دونوں کے متعلق آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے نہایت مفصل معلومات حاصل ہو چکی ہیں اور ان سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فراعنہ اور فرمانروایان بابل دونوں ہی پروہت راجہ (Priest Kings) تھے اور اُن آلہہ کو یہ دونوں نہ صرف یہ کہ مانتے تھے جن کی پرستش ان کی قوم کے ہاں ہوتی تھی بلکہ یہی فرمانروا ان کے مہا پجاری (Chief Priest) ہوتے تھے۔

انھیں ان الٰہ کے نمائندے ہونے کی حیثیت سے مانا جاتا تھا۔ اسی کی تصدیق قرآن کے بیان سے بھی ہوتی ہے اور یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ یہ لوگ اُس معنی میں دہریے نہیں تھے جس معنی میں آج کل یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

بہانہ جوئی کے لیے روایات کے سہارے

سوال: میں نے اپنے بعض اعزہ اور بزرگوں کی خدمت میں فریضۂ اقامت دین کی اہمیت واضح کرنے کی کوشش شروع کر رکھی ہے۔ اس سلسلہ میں میرا تبادلۂ خیال ایک ایسے رشتہ دار سے ہوا جو اصطلاحی علم بھی رکھتے ہیں۔ اقامت دین کے فرض کی اہمیت کے بھی منکر نہیں، مگر ادائے فرض کے لیے آمادہ ہو جانے کے بجائے حیلے سے معذرات پیش کرتے ہیں۔ ان کے پیش نظر یہ حدیث ہے کہ:

اذا رایت شحاً مطاعاً وھویً متبعاً واعجاب کل ذی رأی برأیہ

فعلیک بخویصۃ نفسک

اس سے استدلال کر کے وہ اپنے آپ کو ادائے فرض سے بری کرتے ہیں اور اس کو اتنی وقیع اور وزنی دلیل سمجھتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں ان کے نزدیک پورے قرآن اور سارے ذخیرۂ حدیث کی حجت بھی غیر اہم ہے۔ مثلاً میں نے حدیث شریف "من رأی منکم منکرا فلیغیرہ" الخ اور "لتاخذن ید المسیئ" الحدیث اور "من احیا سنتی" الحدیث، اور اسی طرح آیت "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" الخ اور "وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ" الخ اور بالخصوص "وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ" الخ سب ہی کو ان کے اطمینان کے لیے پیش کر دیا اور یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس حدیث کا محمل یہ نہیں ہے کہ آپ فریضۂ اقامت دین سے سبکدوش ہو گئے! آمرین بالمعروف اور ناہین عن المنکر کی تمام تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ "شح مطاع" اور "ہوائے متبع" ان سب زمانوں میں برسر عمل تھی مگر انھوں نے مایوسی کو گناہ سمجھا اور سعی کی، تو کیا العیاذ باللہ وہ غلطی کے مرتکب تھے؟ اب میں آپ سے اس حدیث کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

جواب: یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ کسی پوری قوم میں یا ساری کی ساری دنیا میں "شحِ مطاع"

اور "ہوائے متبع" کے سوا اب کچھ نہیں رہا، تجربے کی ضرورت ہے نہ کہ اپنی جگہ سمجھ بیٹھنے کی۔ اگر کوئی شخص حق کی طرف لوگوں کو دعوت دے اور تبلیغ کا جو حق ہے وہ ادا کر دے، اور پھر تجربے سے ثابت ہو کر کوئی بھی اپنی ہوائے نفس کی پیروی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے اور سب کے سب باطل پرستی پر مصر ہیں، تب اس حدیث کے منشا کے مطابق آدمی کے لیے یہ درست ہو سکتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دے اور صرف اپنی نجات سے غرض رکھے۔ لیکن عملاً کوشش کیے بغیر پہلے ہی سے یہ سمجھ لینا کہ دعوت اور تبلیغ اور تذکیر سے کچھ حاصل نہیں ہے، محض ادائے فرض سے جی چرانے کا ایک بہانہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی ذمہ داری ڈالنا بڑی جسارت اور سخت زیادتی ہے۔ آج اگر ہم اس حدیث کو حجت بنا کر اپنا وہ فرض ادا کرنے کی کوشش نہ کریں جو مومن ہونے کی حیثیت سے ہم پر عائد ہوتا ہے تو دنیا میں ہم اپنے نفس کو مطمئن کر سکتے ہیں، لیکن قیامت کے روز اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کی بازپرس کے جواب میں یہ حدیث معذرت کے طور پر پیش کی اور نبی صلعم نے اسی وقت ہمارے منہ پر اس کی تردید کر دی کہ میرا یہ مدعا نہ تھا اور ان لوگوں نے میری حدیث سے غلط معنی نکال کر محض حیلہ بازی کی تھی، تو بتائیے کہ ہمارے پاس جوابدہی کے لیے کیا باقی رہ جائے گا؟

دراصل اس حدیث کا یہ منشا ہے ہی نہیں کہ بحیثیت مجموعی کسی پوری آبادی کے متعلق یہ قیاس کر لیا جائے کہ اس میں شح مطاع اور ہوائے متبع کے سوا کچھ نہیں ہے لہٰذا نصیحت اور تذکیر سے کچھ حاصل نہیں، بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یا کوئی گروہ ایسا ہو جس کے سامنے دعوتِ حق کو ٹھیک ٹھیک طریقے سے پیش کیا جائے اور پھر اس کے رویے سے یہ معلوم ہو کہ وہ اپنی شح اور اپنی ہوائے نفس کا بندہ بنا ہوا ہے تب اس کے اوپر تذکیر میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔ یہ وہی بات ہے جو قرآن مجید میں جگہ جگہ آئی ہے کہ "اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ" اور "فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى"۔

سوال: ایک صاحب جو علم دین سے بخوبی واقف ہیں، خطبۂ جمعہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر کہ "میرے بعد ۳۰ سال خلافت رہے گی، بعد میں شاہی دور شروع ہوگا اور آخر میں امام مہدی صاحب جن کا حسب نسب یہ ہوگا تشریف لائیں گے اور خلافت قائم کریں گے۔" یوں

حاشیہ آرائی کی کہ جو لوگ ظہور امام مہدی سے پہلے خلافت کے لیے جدوجہد کرتے ہیں وہ محض ڈھونگ رچاتے اور دوکانداری چلاتے ہیں۔ اس حاشیہ آرائی کے متعلق رائے گرامی کیا ہے؟

جواب: اس طرح کے استدلال جو لوگ حدیث سے کرتے ہیں وہ معلوم ہوتا ہے کہ علم سے بھی بے بہرہ ہیں اور خدا کا خوف بھی ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیوں سے اگر اسی طرح کا استدلال کیا جانے لگے تو انسان گمراہی کی آخری حد تک پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثال کے طور پر ایک حدیث میں حضورؐ نے یہ پیشینگوئی فرمائی ہے کہ مسلمان آخر کار یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چل پڑیں گے اور جہاں جہاں انھوں نے قدم رکھا ہے یہ بھی قدم رکھیں گے، حتیٰ کہ اگر ان میں کسی نے اپنی ماں سے زنا کی ہو تو مسلمانوں میں بھی کوئی شخص اٹھے گا جو اس فعل کا ارتکاب کریگا۔ اب اگر اس پیشینگوئی سے استدلال کر کے کوئی شخص یہود و نصاریٰ کی پیروی شروع کر دے اور کہے کہ حضورؐ خود یہ فرما گئے ہیں لہٰذا آپ کا یہ قول تو بہر حال ہم پر صادق آنا ہی ہے، تو ایسے شخص کے جاہل اور خوفِ خدا سے عاری اور گمراہ ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟

سوال: آپ فرقہ پرستی کے مخالف ہیں مگر اس کی ابتدا تو ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ "عنقریب میری امت ۷۲ فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے صرف ایک ناجی ہوگا، جو میری اور میرے اصحاب کی پیروی کرے گا" (بلکہ شیعہ حضرات تو "اصحاب" کی جگہ "اہلبیت" کو لیتے ہیں)۔ اب غور فرمایئے کہ جتنے فرقے موجود ہیں، سب اپنے آپ کو ناجی سمجھتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ۔ پھر ان کو ایک پلیٹ فارم پر کیسے جمع کیا جا سکتا ہے؟ جب ایسا ممکن نہیں تو ظاہر ہے کہ یہ حدیث حاکمیت غیر اللہ کے بقا کی گارنٹی ہے۔ بہت سے لوگ اسی وجہ سے فرقہ بندی کو مٹانے کے خلاف ہیں کہ اس سے حدیث نبوی کا ابطال ہوتا ہے۔

جواب: جس قسم کا سوال آپ نے کیا ہے اس پر اگر آپ خود اپنی جگہ غور کر لیتے تو آپ کو آسانی سے اس کا جواب مل سکتا تھا۔ احادیث میں مسلمانوں کے اندر بہت سے فتنے پیدا ہونے کی خبر دی گئی ہے جس سے مقصود اہل ایمان کو فتنوں پر متنبہ کرنا اور ان سے بچنے کے لیے تاکید کرنا تھا، لیکن وہ شخص

کس قدر گمراہ ہوگا جو صرف اس لیے فتنہ برپا کرنا یا فتنوں میں مبتلا رہنا ضروری سمجھے کہ احادیث میں جو خبر دی گئی ہے اس کا مصداق بننا ضروری ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی جیسے قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ بہت سے انسان جہنمی ہیں۔ تو کیا اب کچھ لوگ جان بوجھ کر اپنے آپ کو جہنم کا مستحق بنائیں تاکہ یہ خبر ان کے حق میں سچی نکلے؟

قیمتوں کا کنٹرول اور بازار کا حال

سوال: آڑھت کے سلسلہ میں ہم کو گندم خریدنی پڑتی ہے۔ گندم کی خرید و فروخت کے لیے اس وقت یہاں کنٹرول ریٹ مقرر ہے لیکن اس مقررہ نرخ پر گندم ملنی ممکن ہی نہیں ہے۔ چنانچہ منڈی کے تمام بیوپاری قدرے گراں نرخ سے خرید و فروخت کرتے ہیں لیکن رجسٹروں میں اندراج کنٹرول ریٹ سے ہوتا ہے۔ دکاندار خرید و فروخت میں کنٹرول ریٹ سے زائد جو قیمت لیتا دیتا ہے، اس کا حساب دکاندار کے کھاتوں سے نہیں بلکہ اس کی جیب سے متعلق ہوتا ہے۔ اب آپ فرمائیے کہ کیا اپنے استعمال کے لیے اور تجارت کے لیے اس ڈھنگ سے گندم خریدنا جائز ہے؟ نیز یہ امر بھی واضح ہونا چاہیے کہ اگر اس قسم کا کوئی معاملہ عدالت کی گرفت میں آجائے جس کا ہر وقت امکان ہے، تو کیا یہ جائز ہوگا کہ عدالت میں یہی کھاتے کے جھوٹے اندراجات کے مطابق بیان دیا جائے؟ واضح رہے کہ سچ بولنے سے ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت عدالت مقررہ سزا نافذ کردے گی۔

جواب: ان حالات میں آپ اپنے استعمال کے لیے تو بہرحال گندم خرید ہی سکتے ہیں کیونکہ اس صورت میں حساب رکھنے کا کوئی سوال نہیں ہے، البتہ دوکان کے معاملہ میں یہ ایک قباحت کا پہلو ہے کہ جس بھاؤ سے مال خریدا جاتا ہے اس کا کھاتے میں صحیح اندراج پُرخطر بنا دیا گیا ہے۔ اگر اس کاروبار سے بچنے کی کوئی صورت ہو تو بہتر ہے اور اگر آپ کے لیے یہی ایک ذریعہ معاش ہو اور اس کے سوا کسی دوسرے کاروبار سے آپ اپنا رزق حاصل نہ کرسکتے ہوں، تو پھر آپ کے لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنے لین دین کے حسابات مطابق واقعہ رکھیں۔ عدالت میں جو بیان دیا جاتا ہے

اس کی حیثیت شہادت کی ہے۔ پس غلط شہادت نہ دیجیے۔ صاف صاف کہہ دیجیے کہ آپ کی حکومت نے اپنی غلط پالیسی سے تمام ملک کو جھوٹا بننے پر مجبور کر دیا ہے۔ کنٹرول اگر کیا تھا تو کنٹرول ریٹ پر اشیا فراہم کرنے کی ذمہ داری بھی حکومت ہی کو لینی چاہیے تھی، لیکن اس کا انتظام تو کیا نہیں اور کنٹرول ریٹ مقرر کر دیا۔ اب اگر کنٹرول ریٹ ہی سے ہم مال خریدنے پر اصرار کریں تو بازار سے ضروریات زندگی حاصل کرنا ناممکن ہے۔ کنٹرول کا نام لیا جائے تو بائع سرے سے مال ہونے ہی کا انکار کر دیتا ہے، اور بلیک مارکیٹ سے اپنی ضروریات فراہم کی جائیں تو آپ گلا دبانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ بہرحال ہم نے جتنے میں خریدا ہے ہم تو وہی ظاہر کریں گے، آپ کے قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے جھوٹ بولنے کی وہ پالیسی ہم نہیں اختیار کر سکتے جو عام طور پر ہزاروں لاکھوں انسانوں نے مجبوراً اختیار کر رکھی ہے۔ آپ کا انصاف اگر ایسی حالت میں ہمیں سزا دینے کا متقاضی ہے تو دے دیجیے۔ ہمارے نزدیک تو از روئے انصاف کنٹرول آرڈیننس جاری کرنے والے سے لے کر اس تمام عملہ تک جو ان احکام کو نافذ کر رہا ہے اور جس کی زبردستی سے سارا ملک جھوٹ اور بے ایمانی کے طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا ہے اصل مجرم ہیں اور سزا اُن کو ملنی چاہیے۔

عملی اسلام سے اجتناب کا مشورہ

سوال: تحریک اسلامی سے مجھے بہت دلچسپی ہے مگر چند روز سے ایک اہم اعتراض دماغ میں چکر لگا رہا ہے، جسے آپ کے سامنے رکھ کر رہنمائی چاہتا ہوں۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر مسلمان موجودہ طاغوتی نظام سے بالکل علیحدگی اختیار کر لیں تو ان کی حیثیت ہندوستان میں غلام یا اچھوت کی سی رہ جائے گی۔ پس کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ آپ جیسے اعلیٰ دماغ حضرات مسلمانوں کو اس نظام سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش دے کر ذہنی تربیت کا کام کرتے رہیں، تاآنکہ پوری مسلمان قوم کی ذہنیت ایک ہی طرز فکر کی حامل ہو جائے اور پھر موقع آنے پر وہ یکدم نظام حق کے قیام کے لیے اٹھ کھڑی ہو۔

اگر تمام مسلمان آپ کی تحریک اسلامی کے ساتھ ہو گئے ہوتے تب تو طاغوتی نظام میں جذب ہوئے بغیر کامیابی کا امکان تھا، مگر اب جبکہ مسلمانوں کی اکثریت تحریک اسلامی کے نام سے بھی واقف

نہیں اور علماء جن کا فرض ہی احیائے دین کی جد و جہد ہے اس کو ناقابل عمل بتاتے ہیں، نظامِ باطل سے کٹ کر کامیابی حاصل کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ پھر کیا آپ اس پر متفق نہیں ہوں گے کہ ابھی آپ صرف تبلیغی کام کرتے رہیں اور جب بالعموم مسلمانوں کے ذہن تحریک اسلامی کو سمجھنے لگیں اس وقت عملی کام کا آغاز کیا جائے؟

جواب: آپ کا مطلب جہاں تک آپکے خط سے سمجھ میں آیا ہے، یہ ہے کہ موجودہ حالات میں صرف زبانی تبلیغ تقریر و تحریر اور مضامین و رسائل کے ذریعہ سے جاری رکھی جائے اور جن اصولوں کی تبلیغ کی جائے۔ ان پر نہ خود عمل کیا جائے، نہ دوسروں کو ان پر عمل کرنے کی دعوت دی جائے۔ جب سارے مسلمانوں کے ذہن ہمارے خیالات سے متاثر ہو جائیں تب دفعۃً اٹھ کر انقلاب برپا کر دیا جائے۔ یہ خیال بہت بے ضرر اور بے خطر ہے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ تبلیغ اور انقلاب کی فطرت اس کے بالکل خلاف واقع ہوئی ہے۔ موثر اور نتیجہ خیز تبلیغ ہوتی ہی اس وقت ہے جبکہ تبلیغ کرنے والی پارٹی اپنے اصولوں پر عمل کرتی ہے اور ان پر عمل کرنے والوں کی تنظیم کرتی ہے۔ خالی خولی وعظ تو بہت دنوں سے ہندوستان میں ہو رہے ہیں ان کا کیا نتیجہ ہوا؟ براہ کرم ترجمان القرآن کے تازہ پرچوں کے اشارات اور رسائل و مسائل غور سے ملاحظہ فرمائیے یہ عجیب معاملہ ہے کہ کچھ لوگ تو ہم کو یہ طعنہ دیتے ہیں کہ تم بس لکھتے اور چھاپتے ہو، کوئی عملی قدم نہیں اٹھاتے۔ اور کچھ آپ جیسے لوگ مشورہ دیتے ہیں کہ صرف لکھو اور چھاپو، مسلمانوں کو عمل کرنے کے خطرہ میں کیوں ڈالتے ہو ہماری درخواست یہ ہے کہ ان طعنوں اور مشوروں سے پہلے لوگ یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہم اپنی دعوت اور طریق دعوت دونوں میں حضرات انبیائے کرام کے پیرو ہیں، اس وجہ سے جس کو ہمیں کوئی مشورہ دینا ہو یا ہم پر اعتراض کرنا ہو، وہ اپنے مشورہ اور اعتراض پر حضرات انبیا کے قول اور عمل کی دلیل پیش کرے صرف مصلحت بازی اور خیال آرائی یا اندیشہ سازی ہماری نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں رکھتی، پس بہتر ہے کہ لوگ ہمیں اس سے معاف رکھیں۔

حقیقت نماز

مصنفہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

قیمت ۸/